Anwar al-Sirah: International Research Journal for the Study of the Prophet Muhammad (PBUH)'s Biography
ISSN: 3006-7766 (online)and 3006-7758 (print)
Open Access: https://journals.iub.edu.pk/index.php/anwaralsirah/index
Published by: Seerat Chair, The Islamia University of Bahawalpur, Pakistan

معاشرتی تحدیات منشورِ نبوی ﷺ کے تناظر میں

Social Challenges in the Context of the Prophetic Charter (Constitution) of the Prophet ﷺ

Muhammad Saif Ullah Khalid *
M.Phill Islamic Studies, Riphah International University, Faisalabad Campus
Email: saifullahkhalid9752@gmail.com

Ahsan Rizwan Umani
M.Phill Islamic Studies, Riphah International University, Faisalabad Campus
Email: rizwanusmani95@gmail.com

Abstract

This study underscores the relevance of the Seerah of Prophet Muhammad ﷺ as an invaluable framework for addressing contemporary social challenges. By examining the Prophet's character, ethical principles, and interactions with diverse communities, it highlights essential values such as compassion, justice, inclusivity, and empathy values crucial for fostering social harmony. The study explores how the Prophet ﷺ tackled social inequalities, served as a mediator, and led as a statesman, offering timeless lessons for resolving today's social issues. It emphasizes the role of education and moral development in shaping responsible citizens and promoting environmental sustainability, drawing insights from the Prophet's teachings. Ultimately, viewing social challenges through the Prophetic Charter ﷺ equips individuals and communities with the guidance needed to cultivate a more just, inclusive, and compassionate society.

Keywords: Social Challenges, Prophetic Charter, Seerah of Prophet Muhammad ﷺ, Ethical Principles, Social Harmony

تعارف:

لفظ "سماج" بھی معاشرے کے لیے استعمال ہوتا ہے، جو سنسکرت کے دو الفاظ "سم" (اکٹھا یا ایک ساتھ) اور "اج" (متحد رہنا) سے مل کر بنا ہے۔ اس لحاظ سے، "سماج" کا مطلب ہے ایک ساتھ مل کر رہنا۔ جماعتی زندگی میں ہر فرد کو اپنی بہتری اور ترقی کے لیے دوسروں کے ساتھ تعامل کرنا پڑتا ہے، جسے سماج کہا جاتا ہے۔ جہاں لوگ اکٹھے ہو جاتے ہیں، وہاں ایک سماج وجود میں آجاتا ہے۔[1]

سماج یا معاشرہ انسانوں کے اس گروہ کو کہا جاتا ہے جو مشترکہ مفادات رکھتے ہوں اور اپنی بنیادی ضروریات پوری کرنے کے لیے ایک دوسرے پر انحصار کرتے ہوں۔ اس اصول کے تحت انسانوں کا ایک دوسرے کے ساتھ رہنا، ان کے مفادات کا مشترک ہونا اور بنیادی ضروریات کا آپس میں وابستہ ہونا ضروری ہے۔ اس کے بغیر انسانی سماج کا تصور ممکن نہیں۔ آج کے دور میں، دنیا بھر کی ریاستیں ایک دوسرے پر انحصار کرتی ہیں، جو ظاہر کرتا ہے کہ ترقی کے باوجود یہ باہمی ضرورتیں ختم نہیں ہوئیں۔ انہی ضرورتوں کی بنیاد پر انسانوں کے درمیان تعلقات اور روابط انسانی معاشرے اور سماج کے بنیادی ستون ہیں۔ انسانوں کے درمیان باہمی لین دین اور تعلقات کو معاشرت کہا جاتا ہے۔

---

* Email of corresponding author: saifullahkhalid9752@gmail.com

انسانی اور اسلامی سماج:

انسانی نسل مرد اور عورت کے ملاپ سے آگے بڑھتی ہے، اور ان دونوں کے مستقل تعلق سے خاندان کی بنیاد رکھی جاتی ہے۔ اس بنیاد پر مختلف رشتے، کنبے، قبیلے اور برادریاں جنم لیتی ہیں۔ ان کنبوں اور برادریوں کے آپس میں تعلقات اور مل جل کر رہنے کی وجہ سے انسانی معاشرہ تشکیل پاتا ہے۔ چاہے اس معاشرے کے افراد کسی بھی مذہب یا عقیدے سے تعلق رکھتے ہوں، ان کے نظریات مختلف ہو سکتے ہیں۔ بعض ایک خدا پر ایمان رکھتے ہیں، کچھ دوسری زندگی پر یقین رکھتے ہیں یا انکار کرتے ہیں، اور بعض رسالت کو ضروری سمجھتے ہیں جبکہ کچھ اسے نہیں مانتے۔

دوسری طرف، اسلامی معاشرہ وہ ہے جو اسلامی عقائد پر مبنی ہوتا ہے۔ اس میں توحید، آخرت اور رسول اللہ ﷺ کو آخری نبی ماننے کا عقیدہ شامل ہے۔ اسلامی معاشرہ اپنے رشتوں، خانگی تعلقات، ملنے جلنے، برتاؤ اور تمام دیگر معاملات میں اسلامی اصولوں اور نظریات کے تحت چلتا ہے۔[2]

اس وضاحت کی بنیاد پر انسانی معاشرہ دو اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے: اسلامی اور غیر اسلامی معاشرہ۔ دونوں کے درمیان عمومی انسانی حقوق اور تعلقات کے سوا اور کوئی مشترک بنیاد نہیں ہوتی۔

معاشرتی زندگی کی اہمیت:

اسلام میں معاشرتی زندگی کی اہمیت اور اس کی بہتری کے لیے جو احکام اور ہدایات دی گئی ہیں، وہ بڑے جامع اور واضح ہیں۔ ان تعلیمات سے اسلام کا معاشرتی زندگی کے بارے میں نقطہ نظر بخوبی سمجھا جا سکتا ہے اور اس کی حقیقت بھی واضح ہوتی ہے کہ اسلام میں معاشرتی زندگی کو نمایاں اہمیت حاصل ہے۔ اسلام نہ صرف معاشرتی زندگی کو ضروری سمجھتا ہے بلکہ اسے بہتر بنانے کے لیے تفصیلی رہنمائی بھی فراہم کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّ نِسَآءً ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَ الْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا۔[3]

اے لوگو اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی میں سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت سے مرد و عورت پھیلا دیئے اور اللہ سے ڈرو جس کے نام پر مانگتے ہو اور رشتوں کا لحاظ رکھو بے شک اللہ ہر وقت تمہیں دیکھ رہا ہے۔

اس آیت سے معاشرتی زندگی کے بارے میں چند اہم اور بنیادی ہدایات سامنے آتی ہیں:

1. اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو ایک ہی وجود (آدم علیہ السلام) سے پیدا کیا ہے۔
2. اسی وجود سے اس کا جوڑا (حضرت حوا) بنایا گیا۔
3. اس جوڑے کے ذریعے دنیا میں مردوں اور عورتوں کی نسل کو پھیلایا گیا۔
4. اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے، اور یہ حکم دیا گیا ہے کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا جائے۔
5. رشتے داروں کے حقوق ادا کرنے پر زور دیا گیا ہے، یعنی خاندان اور قرابت داروں کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے۔

یہ ہدایات معاشرتی زندگی کے اصولوں کو واضح کرتی ہیں، جو اسلامی معاشرت کی بنیاد ہیں۔

اجتماعی زندگی کی اہمیت:

انسان فطری طور پر ایک دوسرے سے جڑا ہوا ہے اور باہمی میل جول کے بغیر انسانی معاشرے کا وجود ممکن نہیں۔

مل جل کر رہنا اور ایک دوسرے کی مدد کرنا انسانی فطرت کے تقاضے ہیں، اور یہی اجتماعی زندگی کی تکمیل ہے۔ اس کی اہمیت اتنی زیادہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک حدیث پاک میں فرمایا:

"الْمُؤْمِنُ الَّذِي يُخَالِطُ النَّاسَ وَيَصْبِرُ عَلَى أَذَاهُمْ، خَيْرٌ مِنَ الَّذِي لَا يُخَالِطُ النَّاسَ وَلَا يَصْبِرُ عَلَى أَذَاهُمْ"[4]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "وہ مؤمن جو لوگوں کے ساتھ میل جول رکھتا ہے اور ان کی طرف سے آنے والی تکالیف پر صبر کرتا ہے، وہ اس مؤمن سے بہتر ہے جو نہ لوگوں کے ساتھ میل جول رکھتا ہے اور نہ ان کی تکالیف پر صبر کرتا ہے"۔

ضروریات کی تکمیل اور معاشرتی لحاظ سے اس کی اہمیت:

سماج کا وجود افراد پر منحصر ہوتا ہے، اور ان کی جان، عزت، مال، اور آبرو کا تحفظ اس سماج کی بقاء کے لیے بہت اہم ہے۔ انسانی زندگی کے لیے باہمی معاشرتی ضروریات کی تکمیل کو اسلام میں خاص طور پر اہمیت دی گئی ہے، جیسا کہ قرآن مجید اور نبی اکرم ﷺ کی حیات میں اس کی اہمیت بار بار بیان کی گئی ہے۔ اس سلسلے میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ایک حدیث قدسی روایت کرتے ہیں جو اس بات کو مزید وضاحت سے بیان کرتی ہے کہ کیسے انسانیت کے حقوق اور سماجی ذمہ داریاں ایک دوسرے کے ساتھ جڑی ہوئی ہیں۔ چنانچہ حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں:

إنَّ اللَّهَ عزَّ وجلَّ يقولُ يَومَ القِيامَةِ: يا ابْنَ آدَمَ، مَرِضْتُ فَلَمْ تَعُدْنِي، قالَ: يا رَبِّ، كيفَ أعُودُكَ وأَنْتَ رَبُّ العالَمِينَ؟ قالَ: أمَا عَلِمْتَ أنَّ عَبْدِي فُلانًا مَرِضَ فَلَمْ تَعُدْهُ؟ أمَا عَلِمْتَ أنَّكَ لو عُدْتَهُ لَوَجَدْتَنِي عِنْدَهُ؟ يا ابْنَ آدَمَ، اسْتَطْعَمْتُكَ فَلَمْ تُطْعِمْنِي، قالَ: يا رَبِّ، وكيفَ أُطْعِمُكَ وأَنْتَ رَبُّ العالَمِينَ؟! قالَ: أمَا عَلِمْتَ أنَّه اسْتَطْعَمَكَ عَبْدِي فُلانٌ، فَلَمْ تُطْعِمْهُ؟ أمَا عَلِمْتَ أنَّكَ لوْ أطْعَمْتَهُ لَوَجَدْتَ ذلكَ عِندِي، يا ابْنَ آدَمَ، اسْتَسْقَيْتُكَ، فَلَمْ تَسْقِنِي، قالَ: يا رَبِّ، كيفَ أسْقِيكَ وأَنْتَ رَبُّ العالَمِينَ؟! قالَ: اسْتَسْقاكَ عَبْدِي فُلانٌ فَلَمْ تَسْقِهِ، أمَا إنَّكَ لو سَقَيْتَهُ وجَدْتَ ذلكَ عِندِي۔[5]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "قیامت کے دن اللہ عزوجل فرمائے گا: آدم کے بیٹے! میں بیمار ہوا تو نے میری عیادت نہ کی۔ وہ کہے گا: میرے رب! میں کیسے تیری عیادت کرتا جبکہ تو رب العالمین ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تمہیں معلوم نہ تھا کہ میرا فلاں بندہ بیمار تھا، تو نے اس کی عیادت نہ کی۔ تمہیں معلوم نہیں کہ اگر تو اس کی عیادت کرتا تو مجھے اس کے پاس پاتا، اے ابن آدم! میں نے تجھ سے کھانا مانگا، تو نے مجھے کھانا نہ کھلایا۔ وہ شخص کہے گا: اے میرے رب! میں تجھے کیسے کھانا کھلاتا جبکہ تو خود ہی سارے جہانوں کو پالنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تجھے معلوم نہیں کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا مانگا تھا: تو نے اسے کھانا نہ کھلایا اگر تو اس کو کھلا دیتا تو تمہیں وہ (کھانا) میرے پاس مل جاتا۔ اے ابن آدم! میں نے تجھ سے پانی مانگا تھا، تو نے مجھے پانی نہیں پلایا۔ وہ شخص کہے گا: میرے رب! میں تجھے کیسے پانی پلاتا جبکہ تو خود ہی سارے جہانوں کو پالنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میرے فلاں بندے نے تجھ سے پانی مانگا تھا تو نے اسے پانی نہ پلایا، اگر تو اس کو پانی پلا دیتا تو (آج) اس کو میرے پاس پالیتا۔"

یہ حدیث شریف انتہائی جامع اور بامعنی انداز میں اس بات کی وضاحت کرتی ہے کہ ایک مؤمن کے لیے نہ صرف خدا پر ایمان لانا ضروری ہے بلکہ معاشرتی ذمے داریاں بھی اہمیت رکھتی ہیں۔ خدا کی محبت کا ایک پہلو یہ ہے کہ بندہ خالصتاً اسی کی عبادت کرے اور کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ ٹھہرائے، جب کہ دوسرا پہلو یہ ہے کہ انسان اپنے معاشرے کے افراد کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئے، ان کے حقوق کو سمجھے اور ان کی ضروریات کو پورا کرنے میں حتی الامکان مدد کرے۔

کھانا، پینا، بیمار کی عیادت اور تیمارداری جیسی انسانی ضرورتوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کر کے یہ واضح کیا ہے کہ اسلام میں بندوں کے حقوق کی بے حد اہمیت ہے۔ اللہ کی خوشنودی کا راستہ یہ نہیں کہ انسان دنیا سے کنارہ کشی اختیار کر کے جنگلوں یا غاروں میں جا بسے، بلکہ صحیح طریقہ یہ ہے کہ وہ معاشرے میں رہ کر لوگوں کے ساتھ تعلقات قائم رکھے، ان کے دکھ درد میں شریک ہو، ان کی خوشیوں میں شامل ہو، اور ان کے حقوق کا خیال رکھے۔ ان کی ضروریات کو پورا کرنا ایک مومن کے لیے حقیقی دین داری اور اللہ کی رضا کا بہترین ذریعہ ہے۔ یہی رسول اللہ ﷺ کا طریقہ ہے، اسی پر ہمارے بزرگوں نے عمل کیا اور اسی راستے پر چل کر دنیا اور آخرت کی کامیابی حاصل کی جاسکتی ہے۔[6]

آج کی دنیا کی معاشرت کو بہتر بنانے کے لیے ہمیں اپنی اجتماعی ذمے داریوں کو کیسے سمجھنا اور ان پر عمل کرنا ہوگا؟ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی فلاح و بہبود اور باہمی تعلقات کو منظم کرنے کے لیے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تمام انبیاء کرام کو بھیجا، جنہوں نے معاشرتی اصلاح اور بہتر اصولوں کی تعلیم دی۔ تاہم، جو جامع اور مکمل ہدایات نبی کریم ﷺ کی سیرت میں قیامت تک کے لیے محفوظ کی گئی ہیں، وہ بے مثال ہیں۔ ان تعلیمات میں وہ حکمت اور رہنمائی موجود ہے جو دنیا کے کسی دوسرے مصلح یا قائد کی تعلیمات میں نہیں ملتی۔ اگر ہم ان اصولوں پر عمل کریں، تو ہم ایک مثالی معاشرت قائم کرسکتے ہیں جو امن، انصاف، اور محبت پر مبنی ہو۔

اس مختصر مقالے میں اصلاح معاشرہ کے لیے سیرتِ طیبہ کی روشنی میں ہماری اہم ذمہ داریوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ ذمہ داریاں دو بنیادی اقسام میں تقسیم کی جاسکتی ہیں: پہلی بطور حکمران، اور دوسری بطور فرد اور عوام کے۔ سیرت النبی ﷺ ہمیں یہ سکھاتی ہے کہ حکمران اور عوام دونوں کے حقوق اور فرائض کیا ہیں، اور ایک مثالی اسلامی معاشرت کیسے قائم کی جاسکتی ہے۔

بطورِ حکمران معاشرتی ذمہ داریاں:

بطور حکمران ذمہ داریاں یوں ادا کی جاسکتی ہیں کہ منصب کی حساسیت کو سمجھا جائے اور ہر معاملے میں اللہ کی اطاعت اور رسول اللہ ﷺ کی پیروی کو مقدم رکھا جائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ"[7]

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کا حکم مانو اور اس رسول کا حکم مانو اور اپنے اعمال باطل مت کرو۔

تمام حقوق میں حقوق اللہ اور حقوق الرسول کو اولیت حاصل ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ"[8]

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو اور اللہ سے ڈرو، یقیناً اللہ سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔

حکمران کو ریاستی امور کے ساتھ دین کے ضروری علم کے حصول کا شعور بھی ہونا چاہیے اور رعایا کی ہدایت و راہنمائی کے لیے ہمیشہ فکر مند رہنا چاہیے۔ رعایا کی بھلائی اور فلاح کا جذبہ ہر وقت دل میں موجزن ہو، اور حق کی ادائیگی کا احساس ہمیشہ غالب ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَفْسَكَ عَلَى آثَارِهِمْ إِنْ لَمْ يُؤْمِنُوا بِهَذَا الْحَدِيثِ أَسَفًا"[9]

(اے پیغمبر) اگر یہ اس کلام پر ایمان نہ لائیں تو شاید تم کے ان پیچھے رنج کر کر کے اپنے تئیں ہلاک کر دو گے۔

قوم کو ایک صحیح راہ پر گامزن کرنے کی مستقل کوشش، خود عمل سے ظاہر ہو، اور حکمران کی خدمت گزاری کا اندازہ اس کے رویے سے واضح طور پر نظر آئے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"سَيِّدُ القومِ فِي السَّفَرِ خَادِمُهُم، فَمَنْ سَبَقَهُمْ بِخِدْمَةٍ لَمْ يَسْبِقُوهُ بِعَمَلٍ إِلَّا الشَّهَادَةَ"[10]

قوم کا سردار سفر میں ان کا خادم ہوتا ہے، جس نے کسی خدمت کے ذریعے ان پر سبقت حاصل کر لی تو وہ لوگ ماسوائے شہادت کے کسی اور عمل کے ذریعے اس شخص سے آگے نہیں بڑھ سکتے۔

اس خدمت گزاری کی بدولت رعایا کا اعتماد جیتنا آسان ہو جاتا ہے۔ حکمران کو چاہیے کہ اجتماعی مفاد کو ہمیشہ ذاتی مفاد پر فوقیت دے اور دشمنوں کی چالوں سے قوم کو محفوظ رکھنے کے لیے ہر وقت مستعد ہو۔ عدل و انصاف کی فراہمی ایسے یقینی بنائے کہ ہر فرد با آسانی اپنے حقوق تک رسائی حاصل کر سکے، اور ہر شخص کو زندگی کی بنیادی ضروریات فراہم کرنے کی کوشش کرے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"إِنَّ السُّلْطَانَ ظِلُّ اللهِ فِي الْأَرْضِ يَأْوِي إِلَيْهِ كُلُّ مَظْلُومٍ مِنْ عِبَادِهِ، فَإِذَا عَدَلَ كَانَ لَهُ الْأَجْرُ، وَعَلَى الرَّعِيَّةِ الشُّكْرُ، وَإِذَا جَارَ كَانَ عَلَيْهِ الإِصْرُ، وَعَلَى الرَّعِيَّةِ الصَّبْرُ"[11]

بے شک بادشاہ، زمین پر اللہ کا سایہ ہے، جہاں اس کا ہر مظلوم بندہ پناہ حاصل کرتا ہے، جب وہ عدل کرتا ہے تو اس کے لیے اجر ہے، اور رعیت کے ذمہ شکر کرنا ہے، اور جب وہ ظلم کرتا ہے تو اس پر گناہ ہوتا ہے اور رعیت کے ذمہ صبر کرنا ہے۔

اور اسی طرح قومی مسائل اور خطرات کو ایسے محسوس کرے جیسے وہ اس کی ذاتی یا خاندانی پریشانی ہو، اور قومی خزانے اور حقوق کی حفاظت اپنی ذاتی ملکیت سے بڑھ کر کرے۔ ملکی و بین الاقوامی امور میں ہمیشہ دین اور قوم کی بھلائی کو سامنے رکھے۔ حکمران کو دیانت دار، سچائی کا پیکر، کفایت شعار، اور خود انحصار ہونا چاہیے۔ خود غرضی، لالچ، اور مفاد پرستی سے پاک ہو، اور اس میں معاملہ فہمی، متانت، وقار، قانون کی پاسداری، خدا کا خوف، اور ایثار و قربانی جیسے اوصاف بھرپور ہوں۔ اللہ رب العزت نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا:

"قَالَ اللَّهُ هَذَا يَوْمُ يَنفَعُ الصَّادِقِينَ صِدْقُهُمْ"[12]

خدا فرمائے گا کہ آج وہ دن ہے کہ راست بازوں کو ان کی سچائی ہی فائدہ دے گی۔

ایک اور جگہ ارشاد باری تعالی ہے:

"وَأَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ أَمِينٌ"[13]

اور تمہارا امانت دار خیر خواہ ہوں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَيُؤْثِرُونَ عَلَى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ"[14]

اور ان کو اپنی جانوں سے مقدم رکھتے ہیں خواہ ان کو خود احتیاج ہی ہو۔

حکمران کی شخصیت ایسی ہو کہ وہ لوگوں کے لیے مرجع خلائق ہو اور اس کے دل میں سب کے لیے محبت اور رحمت کا جذبہ ہو۔ تاہم، یہ ہرگز لازم نہیں کہ حکمران میں نرمی ہی ہو، بلکہ جہاں ضرورت ہو، نفاذِ حق کے لیے سختی برتنا بھی ضروری ہے۔ جیسے کہ قرآن مجید اور سیرتِ نبوی ﷺ اور خلفائے راشدین کی زندگیوں سے یہ سبق ملتا ہے کہ اگر حق کی خاطر فاطمہؓ کا ہاتھ بھی کاٹنا پڑے تو اسے بھی روکنے میں دریغ نہ کیا جائے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"وَايْمُ اللَّهِ، لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا"[15]

اگر فاطمہ بنت محمد نے بھی چوری کی ہوتی تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کا ہاتھ ضرور کاٹ ڈالتے۔

بطور فرد(عوام)معاشرتی ذمہ داریاں:

ہماری یہ بہت بڑی خوش قسمتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک ایسے نبی کی امت میں شامل ہونے کا شرف عطا کیا، جو خاتم النبیین اور تمام جہانوں کے لیے رحمت ہیں۔ ان کی زندگی کی صبح وشام کی تعلیمات اتنی واضح اور روشن ہیں جیسے دن کی روشنی، اور محفوظ بھی اسی قدر ہیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"قَدْ تَرَكْتُكُمْ عَلَى الْبَيْضَاءِ، لَيْلُهَا كَنَهارِهَا، لَا يَزِيغُ عَنْهَا بَعْدِي إِلَّا هَالِكٌ"[16]

میں نے تم کو ایک ایسے صاف اور روشن راستہ پر چھوڑا ہے جس کی رات بھی دن کی طرح روشن ہے، اس راستہ سے میرے بعد صرف ہلاک ہونے والا ہی انحراف کرے گا۔

نبی اکرم ﷺ کی سیرت ہمارے لیے بہترین مثال ہے، جس میں ہمیں اپنی معاشرتی ذمہ داریوں کو نبھانے کا واضح راستہ ملتا ہے، بشرطیکہ ہم اسے شعور اور کوشش کے ساتھ سمجھنے کی کوشش کریں۔ ذیل میں ان ذمہ داریوں کا مختصر تذکرہ کیا جا رہا ہے۔

ترویج حق اور اس کی مدافعت:

ہماری معاشرتی ذمہ داریوں میں یہ شامل ہے کہ حق کی ترویج کے لیے مرد اور عورت دونوں کو مخلصانہ طور پر اپنا کردار ادا کرنا چاہیے، تاکہ ایک مضبوط نظام وجود میں آسکے جو حقوق کی فراہمی کو یقینی بنائے اور حق کو سربلند کرے۔ ایسا نظام معاشرے کے ہر فرد، بالخصوص کمزور طبقات کے حقوق کی حفاظت کر سکے۔ یہ کام بلاشبہ چیلنجنگ ہے، لیکن اس کی تکمیل ضروری ہے تاکہ ہم اپنی معاشرتی ذمہ داریوں کو پورا کر سکیں۔ جس طرح خاندانِ یاسر نے ابو جہل کے سامنے حق کی خاطر اپنی جانیں قربان کیں[17]، اسی طرح حضرت فاطمہ بنت خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ان کے شوہر حضرت سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جرأت مندی سے دین کی حفاظت کی، یہاں تک کہ انہوں نے عمر بن خطاب جیسے سخت گیر شخص کو حق کی سچائی تسلیم کرنے پر آمادہ کر دیا[18]۔ بعد ازاں، عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود حق کے علمبردار اور عدل کا نشان بن گئے۔

خاندان نبوت کے چشم وچراغ اور جنتی نوجوانوں کے سردار، حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے حق کی حفاظت کے لیے جو قربانی پیش کی، وہ رہتی دنیا تک ایک بے مثال نمونہ ہے۔ ان کی یہ قربانی معاشرتی ذمہ داریوں کا وہ عظیم درس ہے جس نے آنے والی نسلوں کو یہ سکھایا کہ اگر وہ اپنی ذمہ داریوں کا شعور اور احساس نہ کریں، تو معاشرہ فساد اور بگاڑ کا شکار ہو جائے گا، اور اصلاح ممکن نہیں ہو گی۔[19]

اسلام نے دفاع ریاست کی ذمہ داری اگرچہ براہ راست عورتوں پر نہیں ڈالی، لیکن تاریخ میں کئی خواتین ایسی ہیں جنھوں نے حق کی سربلندی اور معاشرتی ذمہ داریوں کے احساس کے تحت میدان جنگ میں آکر اپنی شجاعت کا مظاہرہ کیا۔ ان میں حضرت ام عمارہ رضی اللہ عنہا (جو احد، خیبر، حنین اور یمامہ میں شریک ہوئیں)، حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا (جو یرموک میں شامل ہوئیں)، حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا (جو احد اور حنین میں شریک رہیں)، حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا (جو خندق کے موقع پر تھیں)، حضرت ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا، اور حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا (جو احد میں شامل تھیں) شامل ہیں۔ ان تمام خواتین نے حق کے جذبے کے تحت اپنی جانیں خطرے میں ڈال کر میدان جنگ میں شرکت کی۔[20]

آج کے دور میں ہمارا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ حق کی حمایت کرنے والے کم اور باطل کے حامی زیادہ ہیں۔ اس کی وجہ سے معاشرتی بگاڑ، بے حیائی اور دیگر برائیاں بڑھتی جا رہی ہیں۔ ملک مالی طور پر دیوالیہ ہونے کی طرف بڑھ رہا ہے، جبکہ معیشت، معاشرت، اجتماعیت اور ملک میں قانون و انصاف کا توازن بگڑ رہا ہے۔ ان سنگین حالات میں ہم اپنی معاشرتی ذمہ داریوں سے اسی وقت سبکدوش ہو سکتے ہیں جب ہم حق کے ساتھ کھڑے ہو کر انصار اللہ بنیں اور حق کی مدافعت کے لیے اپنی تمام توانائیاں بھرپور طریقے سے صرف کریں۔ ارشاد باری تعالی ہے:

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا أَنْصَارَ اللَّهِ كَمَا قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيِّينَ مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنْصَارُ اللَّهِ"[21]

مومنو! خدا کے مددگار بن جاؤ جیسے عیسیٰ ابن مریم نے حواریوں سے کہا کہ بھلا کون ہیں جو خدا کی طرف (بلانے میں) میرے مددگار ہوں۔ حواریوں نے کہا کہ ہم خدا کے مددگار ہیں۔

ایثار، محبت اور بھائی چارے کا فروغ:

الفت اور محبت معاشرت کی اساس ہیں، کیونکہ انسان فطری طور پر ایک دوسرے سے جڑتا ہے۔ اس لحاظ سے فرد اور معاشرہ دونوں کو محبت و الفت کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہی محبت اور الفت اجتماعیت کے حسن کو برقرار رکھتی ہے اور معاشرتی تقاضوں کو پورا کرنے میں مدد دیتی ہے۔ اس کی مثال حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، جس میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

المؤمنُ مالفُه، ولا خَيرَ فيمَن لا يَالفُ ولا يُولفُ۔[22]

"مؤمن وہ ہے جو ایک دوسرے سے محبت رکھتا ہو، اور اس شخص میں کوئی خیر نہیں ہے جو نہ محبت کرتا ہے اور نہ محبت کی جاتی ہے"

اس دور میں معاشرتی زندگی میں تیزی سے فاصلے بڑھ رہے ہیں، نفرتوں کا دائرہ وسیع ہو رہا ہے اور دشمنیاں بڑھتی جا رہی ہیں، جس کی وجہ سے انسانوں کے درمیان خلیج پیدا ہو رہی ہے۔ لہذا، آج ہماری سب سے بڑی معاشرتی ذمہ داری یہ ہے کہ ہم لوگوں کے درمیان نفرتوں کو کم کرنے اور محبت و الفت کو فروغ دینے کی کوشش کریں۔ ہمیں ان فاصلے کو قریب کرنے کی کوشش کرنی چاہیے اور لوگوں کو ان کے غموں سے دور کرنے کے لیے ہر ممکنہ راہ تلاش کرنی چاہیے، جو کہ بڑے اجر و ثواب کا کام ہے۔ ارشادِ باری تعالی ہے:

فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ[23]

مگر جو درگزر کرے اور (معاملے کو) درست کردے تو اس کا بدلہ خدا کے ذمے ہے۔

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

وَالصُّلْحُ خَيْرٌ[24]

اور صلح خوب (چیز) ہے۔

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِنْ نَجْوَاهُمْ إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا[25]

ان لوگوں کی بہت سی مشورتیں اچھی نہیں ہاں (اس شخص کی مشورت اچھی ہو سکتی ہے) جو خیرات یا نیک بات یا لوگوں میں صلح کرنے کو کہے اور جو ایسے کام خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے کرے گا تو ہم اس کو بڑا ثواب دیں گے۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِأَفْضَلَ مِنْ دَرَجَةِ الصِّيَامِ وَالصَّلَاةِ وَالصَّدَقَةِ؟ قَالُوا: بَلَى يَا رَسُولَ اللَّهِ. قَالَ: إِصْلَاحُ ذَاتِ الْبَيْنِ، فَإِنَّ فَسَادَ ذَاتِ الْبَيْنِ هِيَ الْحَالِقَةُ"۔ [26]

کیا میں تمہیں وہ بات نہ بتاؤں جو درجے میں روزے، نماز اور زکاۃ سے بڑھ کر ہے؟ لوگوں نے کہا: کیوں نہیں، آپ نے فرمایا: آپس میں میل جول کرا دینا، اور آپس کی لڑائی اور پھوٹ تو سر مونڈنے والی ہے۔

اگر معاشرے میں لوگوں کے دلوں میں محبت اور بھائی چارہ موجود نہ ہو تو یہ بات واضح ہے کہ فساد کی راہ ہموار ہو جاتی ہے، اور لوگ ایک دوسرے سے دور ہو جاتے ہیں۔ اس صورت میں اختلافات اتنے بڑھ جاتے ہیں کہ لوگ ایک دوسرے کے خلاف شدید دشمنی اختیار کر لیتے ہیں، گویا کہ وہ ایک دوسرے کو آسانی سے نقصان پہنچانے کے درپے ہو جاتے ہیں۔ آج کے زمانے میں اس کی مثال سمجھنا مشکل نہیں ہے۔ عالمی سطح پر بھی الفت اور ہم آہنگی کے بجائے دشمنی اور اختلافات بڑھتے جا رہے ہیں۔ اسی کے ساتھ ساتھ دنیا بھر میں جنگی اسلحے کی تیاری میں بے پناہ اضافہ ہو رہا ہے۔ معمولی غلطیوں یا ذاتی مفادات کے حصول میں ناکامی کے باعث کئی ممالک تیزی سے جنگ اور تباہی کی لپیٹ میں آ جاتے ہیں، جیسا کہ پچھلی عالمی جنگوں، امریکہ و نیٹو کے عراق اور افغانستان پر حملوں، اور حالیہ روس-یوکرین جنگ میں دیکھا گیا ہے۔

یہی مسئلہ ملک کے اندر بھی تباہ کن نتائج کا باعث بنتا ہے۔ پاکستان کی موجودہ صورتحال میں سیاسی عدم استحکام اور اجتماعی و سیاسی بے بصیرتی کی وجہ سے انارکی پھیلتی جا رہی ہے۔ ذاتی مفادات کی خاطر اجتماعی مفادات کو نقصان پہنچ رہا ہے جس سے ملک میں بے یقینی کی صورتحال ہے۔ اس کی وجہ سے معیشت بھی تباہی کا شکار ہے اور اسٹیٹ بینک آف پاکستان کی صورتحال اتنی غیر مستحکم ہو چکی ہے کہ اسے عالمی بینک کی سرپرستی میں دے دیا گیا ہے۔ یہ سب کچھ دراصل باہمی دشمنی اور عدم محبت کا نتیجہ ہے۔

اوپر ذکر کردہ حدیث میں آپس کی نااتفاقی کو دین کو ختم کرنے والی چیز قرار دیا گیا ہے، بالکل ایسے جیسے استرا بالوں کو کاٹ دیتا ہے۔ اسی طرح آپسی دشمنی اور لڑائی نہ صرف دین کو بلکہ ریاست کو بھی تباہ کر دیتی ہے۔ اس لیے لوگوں میں باہمی محبت اور اتحاد پیدا کرنا ایک نہایت ضروری اور عظیم اجتماعی اور معاشرتی خدمت ہے۔

ظلم کا خاتمہ اور عدل کا قیام:

ظلم کی وجہ سے آبادیاں ویران ہو جاتی ہیں، ممالک تباہی کا شکار ہوتے ہیں، اور عدل و انصاف ختم ہو جاتا ہے۔ معاشرے میں ناانصافی کی وجہ سے لوگ حقوق سے محروم رہ جاتے ہیں اور سماجی تقسیم میں اضافہ ہوتا ہے۔ خوف اور انتشار بڑھتے ہیں، اور جب قانون و نظم کا فقدان پیدا ہوتا ہے تو حالات قابو سے باہر ہو جاتے ہیں، جس سے سماجی حقوق کا تحفظ ایک مشکل ترین مسئلہ بن جاتا ہے۔ ایسی حالت میں ملک کمزوری کا شکار ہو جاتا ہے، جہاں لوگوں کی عزتیں محفوظ نہیں رہتیں اور مظلوموں کی فریادیں اور انتقام کی خواہشیں شدت اختیار کر لیتی ہیں۔ اس طرح اللہ تعالی کی ناراضگی اور عذاب کا سامنا معاشرے کو کرنا پڑتا ہے۔ ارشادِ باری ہے:

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ [27]

خشکی اور تری میں لوگوں کے اعمال کے سبب فساد پھیل گیا ہے تاکہ خدا اُن کو اُن کے بعض اعمال کا مزہ چکھائے عجب نہیں کہ وہ باز آجائیں۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"ثَلَاثَةٌ لَا تُرَدُّ دَعْوَتُهُمْ: الصَّائِمُ حَتَّى يُفْطِرَ، وَالْإِمَامُ الْعَادِلُ، وَدَعْوَةُ الْمَظْلُومِ يُرْفَعُهَا اللَّهُ فَوْقَ الْغَمَامِ، وَيُفْتَحُ لَهَا أَبْوَابُ السَّمَاءِ، وَيَقُولُ الرَّبُّ: وَعِزَّتِي وَجَلَالِي لَأَنْصُرَنَّكَ وَلَوْ بَعْدَ حِينٍ" ۔[28]

تین افراد ایسے ہیں جن کی دعا رد نہیں کی جاتی: (1) روزہ دار جب تک کہ وہ افطار نہ کر لے، (2) عادل حکمران، (3) اور مظلوم کی دعا۔ اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو بادلوں سے اوپر بلند کرتا ہے، آسمان کے دروازے اس کے لیے کھول دیے جاتے ہیں، اور اللہ فرماتا ہے: 'میری عزت اور جلال کی قسم! میں تمہاری ضرور مدد کروں گا، خواہ کچھ دیر بعد ہی کیوں نہ ہو۔

اللہ کے غضب سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم معاشرے میں عدل و انصاف کو قائم کرنے کی بھرپور کوشش کریں، کیونکہ یہ ہماری معاشرتی ذمہ داری بھی ہے۔ جن معاشروں میں انصاف کا نظام مضبوط نہیں ہوتا، وہ بالآخر تباہی کی جانب بڑھ جاتے ہیں۔ اسی تباہی سے بچانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کو انصاف اور حق کے ترازو کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ وہ لوگوں کو انصاف کی راہ دکھا سکیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ"[29]

ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی نشانیاں دے کر بھیجا۔ اور اُن پر کتابیں نازل کیں اور ترازو (یعنی قواعد عدل) تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں۔ اور لوہا پیدا کیا اس میں (اسلحۂ جنگ کے لحاظ سے) خطرہ بھی شدید ہے۔

اگر عدل و انصاف کے قیام کے لیے جنگ ناگزیر ہو جائے تو اس سے گریز نہیں کیا جائے گا، بلکہ ضرورت پڑنے پر اس کا حکم بھی ہے تاکہ معاشرے میں امن و امان قائم ہو اور لوگوں کے حقوق محفوظ رہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا وَإِنَّ اللَّهَ عَلَى نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ۔ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَنْ يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ"[30]

جن مسلمانوں سے (خواہ مخواہ) لڑائی کی جاتی ہے ان کو اجازت ہے (کہ وہ بھی لڑیں) کیونکہ ان پر ظلم ہو رہا ہے۔ اور خدا (ان کی مدد کرے گا وہ) یقیناً ان کی مدد پر قادر ہے۔ وہ وہ لوگ ہیں کہ اپنے گھروں سے ناحق نکال دیئے گئے (انہوں نے کچھ قصور نہیں کیا) ہاں یہ کہتے ہیں کہ ہمارا پروردگار خدا ہے۔ اور اگر خدا لوگوں کو ایک دوسرے سے نہ ہٹاتا رہتا تو (راہبوں کے) صومعے اور (عیسائیوں کے) گرجے اور (یہودیوں کے) عبادت خانے اور (مسلمانوں کی) مسجدیں ۔

جہاد کی مشروعیت کا بنیادی مقصد مظلوموں کی حمایت کرنا، فساد اور ظلم کو روکنا اور امن و سلامتی کو یقینی بنانا ہے۔ اگر ایسا نہ کیا جائے تو عبادت گاہیں، معابدے اور دیگر سماجی و مذہبی مراکز، جیسے کہ گرجے اور مساجد، تباہی کا شکار ہو جائیں گے۔ یہی بات اس آیت کے مقصد میں شامل ہے جو معاشرتی اور اجتماعی مراکز کے تحفظ کی اہمیت کو بیان کرتی ہے۔ مظلوموں کی حمایت اور ان کی دادرسی کرنا نہ صرف ایک اہم ذمہ داری ہے بلکہ یہ اللہ کا حکم بھی ہے، اور یہی فلسفہ جہاد کا بنیادی مقصد ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ نَصِيرًا"[31]

اور تم کو کیا ہوا ہے کہ خدا کی راہ میں اور اُن بے بس مردوں اور عورتوں اور بچوں کی خاطر نہیں لڑتے جو دعائیں کیا کرتے ہیں کہ اے پروردگار ہم کو اس شہر سے جس کے رہنے والے ظالم ہیں نکال کر کہیں اور لے جا۔ اور اپنی طرف سے کسی کو ہمارا حامی بنا۔ اور اپنی ہی طرف سے کسی کو ہمارا مددگار مقرر فرما۔

ظلم کی وجہ سے کائنات کا نظام بگڑ جاتا ہے، اور معاشرہ عدم توازن کا شکار ہو کر بگاڑ کا سامنا کرنے لگتا ہے، جس سے ریاست کا نظام بھی متاثر ہوتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے متعدد مقامات پر انصاف اور توازن کو برقرار رکھنے کا حکم دیا ہے اور برابری کے پیمانے کے استعمال کی تلقین کی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"وَأَقِيمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيزَانَ"[32]

اور انصاف کے ساتھ ٹھیک تولو۔ اور تول کم مت کرو۔

سماجی اقدار کا فروغ:

اسلامی معاشرتی تعلیمات اور اخلاقیات نہایت اعلیٰ اور دیرپا اہمیت کے حامل ہیں۔ یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم ان تعلیمات کو معاشرے میں فروغ دیں اور ان کے عام کرنے کے لیے ہر ممکن انفرادی اور اجتماعی جدوجہد کریں۔ ان اخلاقی اصولوں میں سے کچھ کی وضاحت کرنا مناسب ہوگا تاکہ ان کی افادیت کو بہتر طور پر سمجھا جاسکے۔

وعدے کی پاسداری یا بدعہدی:

وفاے عہد اسلام کی ایک نمایاں معاشرتی قدر ہے، جس پر انسانی تعلقات اور معاملات کی بنیاد قائم ہے۔ اس کی اہمیت کے پیش نظر قرآن مجید میں واضح حکم دیا گیا چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ"[33]

اے ایمان والو! اپنے اقراروں کو پورا کرو۔

اسی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے ایک بار ایک شخص کے ساتھ وعدہ کیا اور اس وعدے کو نبھانے کے لیے تین دن تک اس مقام پر انتظار کیا، تاکہ کسی قسم کی بے وفائی یا وعدہ خلافی کا شائبہ نہ ہو۔ ایک حدیث مبارکہ میں آپ ﷺ نے وعدہ خلافی کو ایمان کے منافی قرار دیا ہے:

"لَا إِيمَانَ لِمَنْ لَا أَمَانَةَ لَهُ، وَلَا دِينَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهُ"[34]

"اس شخص کا ایمان نہیں جس میں امانت داری نہ ہو، اور اس کا دین نہیں جس میں عہد کی پاسداری نہ ہو"

مزید برآں، ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ نے وعدہ خلافی اور دھوکہ دہی کرنے والوں کے بارے میں سخت وعید دی ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

قَالَ اللَّهُ تَعَالَى: ثَلَاثَةٌ أَنَا خَصْمُهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ: رَجُلٌ أَعْطَى بِي ثُمَّ غَدَرَ، وَرَجُلٌ بَاعَ حُرًّا فَأَكَلَ ثَمَنَهُ، وَرَجُلٌ اسْتَأْجَرَ أَجِيرًا، فَاسْتَوْفَى مِنْهُ وَلَمْ يُعْطِهِ أَجْرَهُ۔[35]

"اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "تین لوگوں کا میں قیامت کے دن مخالف ہوں: ایک وہ شخص جس نے میرے نام پر وعدہ کیا پھر اس نے غداری کی، دوسرا وہ شخص جس نے آزاد انسان کو بیچ کر اس کی قیمت کھالی، اور تیسرا وہ شخص جس نے مزدور کو اجرت پر رکھا، اس سے پورا کام لیا مگر اس کی مزدوری نہ دی"

اس حدیث مبارکہ میں تین بڑے معاشرتی برائیوں کا ذکر کیا گیا ہے: وعدہ خلافی یا بد عہدی، آزاد انسان کو فروخت کرنا، اور مزدور کو اس کی اجرت نہ دینا۔ ان میں سے ہر برائی کے اثرات اور نقصانات درج ذیل ہیں:

1-وعدہ خلافی یا بد عہدی:

یہ ایک ایسی اخلاقی کمزوری ہے جو تین بنیادی نقصانات کا باعث بنتی ہے:

مالی نقصان: وعدہ پورا نہ ہونے کی صورت میں مالی معاملات میں خسارہ ہوتا ہے۔

وقت کا ضیاع: بد عہدی کے نتیجے میں دوسروں کا قیمتی وقت ضائع ہوتا ہے۔

سماجی تعلقات کی خرابی: وعدہ خلافی اعتماد کو ٹھیس پہنچاتی ہے اور تعلقات میں دراڑ ڈالتی ہے۔

2-آزاد انسان کو فروخت کرنا:

کسی آزاد انسان کو فروخت کرنے کا عمل کئی سماجی اور اخلاقی مسائل کو جنم دیتا ہے:

دھوکہ دہی اور ظلم: یہ عمل دھوکہ دہی ہونے کے ساتھ ساتھ انسانیت کے وقار پر ایک ظلم ہے۔

معاشرتی تعلقات کی خرابی: ایسے افعال سماج میں بے اعتمادی اور تنازعات کا سبب بنتے ہیں۔

نفسیاتی اور جسمانی ظلم: ایک آزاد انسان کو غلام بنانے سے نہ صرف جسمانی مشقت بڑھتی ہے بلکہ نفسیاتی اذیت بھی ہوتی ہے۔

3-مزدور کو اجرت نہ دینا:

مزدوروں کو ان کا حق نہ دینا درج ذیل معاشرتی بگاڑ کا سبب بنتا ہے:

جسمانی اور نفسیاتی اذیت: مزدور کو مشقت کا پورا بدلہ نہ ملنا اسے ذہنی اور جسمانی طور پر تکلیف دیتا ہے۔

معاشی عدم استحکام: مزدور، جو سماج کا کمزور ترین طبقہ ہوتا ہے، روزانہ کی اجرت پر انحصار کرتا ہے۔ ان کا حق ادا نہ کرنا معاشرتی مسائل کو جنم دیتا ہے۔

اللہ کی ناراضگی: مزدوروں کے حقوق پامال کرنے سے اللہ کا غضب نازل ہوتا ہے اور معاشرے پر اس کی رحمتیں رک جاتی ہیں، جو سب سے بڑا خطرہ ہے۔

یہ تمام برائیاں ایک متوازن اور پرامن معاشرے کے لیے سنگین رکاوٹیں ہیں، جن سے بچنے کی بھرپور کوشش ہونی چاہیے۔

بردباری اور برداشت:

کسی بھی معاشرے کی کامیابی اور ترقی میں صبر کو کلیدی حیثیت حاصل ہے۔ معاشرت کی ترقی کے لیے مسلسل محنت اور لگن ضروری ہوتی ہے، کیونکہ بغیر محنت کے ترقی کی منازل طے کرنا ممکن نہیں۔ تاہم، اس عمل میں صبر اور تحمل بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ترقی کا راستہ صبر کے ساتھ ہی طے ہوتا ہے۔ جب تک قیادت اور معاشرے کے افراد صبر کو اپنا شعار نہ بنالیں اور یہ خوبی اجتماعی سطح پر پروان نہ چڑھ جائے، ترقی کے اہداف حاصل کرنا مشکل رہتا ہے۔ اسی لیے نبی کریم ﷺ، جو ہمارے لیے کامل نمونہ ہیں، کو بھی صبر کی تلقین کی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اسی بات کا حکم دیا ہے۔

"فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَهُمْ"[36]

"پس (اے محمد ﷺ) جس طرح اور عالی ہمت پیغمبر صبر کرتے رہے ہیں اسی طرح تم بھی صبر کرو اور ان کے لئے (عذاب) جلدی نہ مانگو"

صبر وہ راستہ ہے جس پر چل کر اولوالعزم لوگ عظمت کے اعلیٰ مقام تک پہنچے۔ جلد بازی میں حاصل کی گئی کامیابیاں عموماً عارضی ہوتی ہیں، جبکہ پائیدار کامیابی کے لیے صبر ناگزیر ہے۔ اعلیٰ مراتب تک رسائی صبر و تحمل کے بغیر ممکن نہیں۔ ایک حدیثِ قدسی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"قَالَ اللَّهُ تَعَالَى: "إِذَا ابْتَلَيْتُ عَبْدِي بِحَبِيبَتَيْهِ فَصَبَرَ، عَوَّضْتُهُ مِنْهُمَا الْجَنَّةَ"[37]

"اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "جب میں اپنے بندے کو اس کی دو محبوب چیزوں (آنکھوں) کے ذریعے آزماؤں، اور وہ صبر کرے، تو میں ان کے بدلے اسے جنت عطا کروں گا"

کسی معاشرے کی کامیابی کے لیے صبر، تحمل اور درگزر بنیادی صفات ہیں، جبکہ جھگڑا، تصادم اور بے صبری سے معاشرتی بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔ کامیاب معاشرے وہی ہوتے ہیں جہاں صبر و تحمل کو اپنایا جاتا ہے۔ یہی وہ خوبیاں ہیں جن میں کامیابی کی خوشخبری چھپی ہوئی ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے صبر اور معافی کو اختیار کرنے کا حکم دیا ہے:

"وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ ذَٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ"[38]

"اور یقیناً جو شخص صبر کرے اور معاف کردے، تو یہ بڑی حوصلے کی باتوں میں سے ہے"

حدیبیہ کے معاہدے کے دوران رات کے وقت قریش کے چالیس افراد نے مسلمانوں کے کیمپ پر پتھراؤ کیا اور تیر برسائے۔ ان کا مقصد مسلمانوں کو مشتعل کرنا اور اس طرح معاہدے کی کوششوں کو ناکام بنانا تھا۔ اس کے باوجود، نبی کریم ﷺ اور آپ کے ساتھیوں نے ان افراد کو گرفتار کیا، لیکن نہایت صبر اور تحمل سے کام لیتے ہوئے انہیں معاف کر دیا۔ اس عمل نے ایک عظیم مثال قائم کی کہ کس طرح بے جا زیادتیوں کے باوجود صبر اور برداشت کے ساتھ کام لیا جاسکتا ہے۔[39]

آج ہمیں اجتماعی سطح پر اپنی ذمہ داریوں کا ادراک کرتے ہوئے صبر اور ضبط کی اہمیت کو سمجھنا اور اس پر عمل کرنا چاہیے۔ ہمیں اپنے معاشرے میں صبر و تحمل کی تعلیمات کو پھیلانے کی ضرورت ہے، خاص طور پر نوجوانوں میں جو عموماً جلد بازی اور بے صبری کا شکار ہیں۔ ایسے نوجوان بعض اوقات اپنی ذاتی مشکلات کے ساتھ ساتھ دوسروں اور ریاستی املاک کو بھی نقصان پہنچا دیتے ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہم ان نوجوانوں کو صبر کا راستہ دکھائیں تاکہ وہ اپنے فیصلوں میں تحمل کا مظاہرہ کریں اور معاشرتی امن قائم رہے۔

خودسپردگی اور جانفشانی:

آج کے دور میں معاشرتی حالات بدحالی، پریشانی، مایوسی اور خودغرضی سے بھرے ہوئے ہیں۔ ان مشکلات سے معاشرے کو نکالنے کے لیے ہمیں اپنے کردار کو مضبوط کرنا ہوگا، اور اس کے لیے خودسپردگی، محنت اور جانفشانی کی ضرورت ہے۔ ہمارے وقت، محنت، صلاحیت اور وسائل کو اس مقصد میں لگانا ایک عظیم ایثار ہے، کیونکہ ان کے بغیر ہم اپنی معاشرتی ذمہ داریوں کو صحیح طریقے سے ادا نہیں کرسکتے۔ اگر ہم ریاست مدینہ اور اس کے معاشرتی اصولوں کی بات کرتے ہیں تو ہمیں ان تعلیمات کو اپنانا ہوگا جو ہمیں سنتِ نبوی ﷺ سے ملی ہیں۔ اگر ہم اپنے اردگرد حالات پر نظر ڈالیں، تو ہمیں یہ حقیقت نظر آتی ہے کہ بہت سی قومیں قرضوں میں ڈوبی ہوئی ہیں اور عوام غلامی کی حالت میں ہیں، جبکہ حکام اور سرمایہ دار اپنے مفادات کے پیچھے ہیں۔ ایسی صورتحال میں ایک امید کی کرن ریاست مدینہ کی مثال ہے، جس میں مواخات مدینہ کا تصور تھا۔

امت میں خودسپردگی اور جانفشانی کی کمی نہیں، لیکن اس جذبے کو دوبارہ بیدار کرنے کی ضرورت ہے۔ اس کے بغیر ہم ریاست مدینہ کا تصور تو کرسکتے ہیں، لیکن اس کی عملی تشکیل نہیں کرسکتے۔ حضور ﷺ اور آپ کے جانثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے دین اسلام کی سربلندی کے لیے فاقوں میں رہ کر اپنے تمام وسائل، وقت، مال اور صلاحیتوں کو قربان کیا، تب جاکر ریاست مدینہ کی حقیقی مثال قائم ہوئی۔ جیسا مواخات مدینہ کے دوران بنائے گئے بھائی حضرت عبدالرحمان

بن عوف اور سعد بن ربیع رضی اللہ عنھما میں سے حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ نے اپنی جائیداد کا نصف اور خاندان میں سے کسی ایک بیوی کا اختیار حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ کو سونپ دیا، لیکن انہوں نے خود انحصاری کو ترجیح دی[40]۔

غزوہ تبوک کے موقع پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر کا سارا مال حضور ﷺ کے قدموں لا کر پیش کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں:

"لَمَّا كَانَ غَزْوَةُ التَّبُوكِ قَامَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ بِمَا لَهُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَمَا فِي بَيْتِهِ مِنْ أَمْوَالِهِ وَقَالَ لِلنَّبِيِّ ﷺ: هَذَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَسَأَلَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: مَا تَرَكْتَ لِأَهْلِكَ؟ قَالَ: تَرَكْتُ لَهُمُ اللَّهَ وَرَسُولَهُ"[41]

"حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے روایت کی کہ غزوہ تبوک کے دوران حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنا تمام مال اللہ کی راہ میں پیش کر دیا اور نبی کریم ﷺ سے کہا: "یہ مال اللہ کی راہ میں ہے" تو رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: "تم نے اپنے اہل و عیال کے لیے کیا چھوڑا؟" حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: "میں نے ان کے لیے اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑا"

یہ تھا وہ جذبہ جس نے ریاست مدینہ کے قیام کو ممکن بنایا اور رہتی دنیا تک ایک مثال قائم کر دی۔

نتائج بحث:

1. معاشرتی بگاڑ کے خاتمے کے لیے نبی کریم ﷺ کی سنت ہمیں اخلاقی اقدار اپنانے کی تعلیم دیتی ہے۔ دیانت داری، عفو و درگزر، اور ایثار جیسے اصول معاشرتی اصلاح کی بنیاد ہیں۔
2. نبی کریم ﷺ نے صبر اور تحمل کی عملی مثالیں پیش کیں، جیسے کہ صلح حدیبیہ اور دیگر مواقع پر۔ موجودہ معاشرتی چیلنجز کے حل کے لیے ہمیں بھی صبر و تحمل کو اپنانا ہو گا۔
3. مواخات مدینہ کی مثال ہمیں سکھاتی ہے کہ معاشرتی مشکلات کا حل باہمی اتحاد اور بھائی چارے میں ہے۔ فرقہ واریت، تعصب، اور گروہی اختلافات کے خاتمے کے بغیر ایک مثالی معاشرہ تشکیل نہیں دیا جا سکتا۔
4. حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی سنت کے مطابق، خود انحصاری اور محنت کے ذریعے معاشرتی ترقی ممکن ہے۔ بے روزگاری اور معاشی ناہمواری جیسے مسائل کا حل محنت میں پوشیدہ ہے۔
5. نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام کی زندگیوں میں ایثار اور دوسروں کی مدد کی بے شمار مثالیں ہیں۔ ضرورت مندوں کی مدد کر کے معاشرت میں ہم آہنگی اور خوشحالی لائی جا سکتی ہے۔
6. سنت رسول ﷺ ہمیں عدل و انصاف کی تلقین کرتی ہے۔ معاشرتی چیلنجز جیسے بدعنوانی اور ناانصافی کا خاتمہ عدل کے بغیر ممکن نہیں۔
7. سنت نبوی ﷺ میں حقوق العباد کی ادائیگی کو انتہائی اہمیت دی گئی ہے۔ معاشرتی ترقی کے لیے ہر فرد کو دوسروں کے حقوق کا خیال رکھنا ہو گا۔
8. نبی کریم ﷺ نے حکمرانوں کو عدل و انصاف کا نمونہ بننے کی تلقین کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت اس کی روشن مثال ہے، جہاں ہر شخص کو انصاف مہیا کیا جاتا تھا۔ ایک حکمران کی اولین ذمہ داری ہے کہ وہ بلا تفریق عدل و انصاف قائم کرے تاکہ معاشرہ بدامنی اور بدعنوانی سے محفوظ رہے۔
9. نبی کریم ﷺ نے ہمیشہ رعایا کی فلاح و بہبود کو اولین ترجیح دی۔ حکمران کی ذمہ داری ہے کہ وہ عوام کی بنیادی ضروریات جیسے تعلیم، صحت، اور روزگار کو یقینی بنائے تاکہ معاشرتی ناہمواری ختم ہو۔

10. حکمران کو دیانت دار اور امانت دار ہونا چاہیے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا(الإِمَامُ رَاعٍ وَمَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ)"ترجمہ: امام نگران ہے اور اپنی رعیت کے بارے میں جواب دہ ہے"۔ حکمران پر لازم ہے کہ وہ عوام کی امانت میں خیانت نہ کرے اور دیانت داری سے اپنے فرائض ادا کرے۔
11. نبی کریم ﷺ نے کرپشن اور اقرباپروری سے سختی سے منع فرمایا۔ ایک حکمران کی ذمہ داری ہے کہ وہ انصاف کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے بدعنوانی کا خاتمہ کرے تاکہ معاشرہ ترقی کرسکے۔
12. حکمران کو اپنی پالیسیوں اور اقدامات کے لیے جواب دہ ہونا چاہیے۔ خلفائے راشدین کی طرح ایک حکمران کو چاہیے کہ وہ عوام کو جواب دہی کا حق دے تاکہ حکمرانی شفاف ہو۔

سفارشات:

یہ تجویز دی جاتی ہے کہ سرکاری نظام کو سیرتِ رسول ﷺ کے اصولوں کے مطابق استوار کیا جائے تاکہ معاشرے میں ایک مثالی اور خوشگوار ماحول قائم ہو سکے، جہاں عوام کو حقیقی سکون اور انصاف میسر آئے۔ اس کے بغیر ایک منصفانہ اور پُرامن معاشرے کی تشکیل ممکن نہیں۔

نفرت اور دشمنی سے لبریز معاشرے میں محبت، انصاف، صبر، تحمل، برداشت، وعدہ وفائی، ذمہ داری کا احساس، اور احتساب جیسی خصوصیات کو فروغ دینا وقت کی اہم ضرورت ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ معاشرتی ظلم وزیادتی کو روکنے کے لیے عملی اقدامات بھی ناگزیر ہیں تاکہ ایک پرامن اور متوازن معاشرہ تشکیل پا سکے۔

حوالہ جات وحواشی:

[1] آن لائن قومی انگریزی اردو لغت، ادارہ فروغِ قومی زبان اسلام آباد، پاکستان، مزید دیکھئے:

Rekhta Dictionary: https://www.rekhtadictionary.com/content/assets/img/Desktop/rdic-banner-desktop-en.jpg

1-Rekhta Dictionary. Available at: https://www.rekhtadictionary.com/content/assets/img/Desktop/rdic-banner-desktop-en.jpg.

[2] اصلاحی، مولانا محمد یوسف، اسلامی معاشرہ اور اس کی تعمیر میں خواتین کا حصہ، البدر پبلیکیشنز، 2016ء، ص:25،24

2-Islahi, Maulana Muhammad Yusuf. (2016). *Islamic Society and Women's Role in Its Construction*. Al-Badr Publications, pp. 24-25.

[3] سورة النساء :1

3-Surah An-Nisa: 1.

[4] ابن ماجه، *سنن ابن ماجه*، كتاب الفتن، باب: الْمُخَالَطَةُ لِلنَّاسِ وَالصَّبْرُ عَلَى أَذَاهُمْ، رقم الحديث: 4032۔

4-Ibn Majah. *Sunan Ibn Majah*, Book of Trials, Hadith No. 4032

[5] ابو الحسين مسلم بن حجاج، مسلم، كتاب البروالصلة، باب فضل عيادة المريض، رقم الحديث: 5269۔

5-Muslim bin Hajjaj. *Sahih Muslim*, Book of Kindness and Family Relations, Hadith No. 5269

[6] اصلاحی، اسلامی معاشرہ اور اس کی تعمیر میں خواتین کا حصہ، ص:68، 69۔

6-Islahi, Maulana Muhammad Yusuf. (2016). *Islamic Society and Women's Role in Its Construction*, pp. 68-69.

[7] سورة محمد :33۔

7-Surah Muhammad: 33

[8] سورة الحجرات:01۔

8-Surah Al-Hujurat: 1

[9] سورة الكهف:06۔

9-Surah Al-Kahf: 6

[10]ولی الدین ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ،مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الآداب، باب السفر، الفصل الثالث،رقم الحدیث:2925.

10-Waliuddin Abu Abdullah Muhammad bin Abdullah. *Mishkat al-Masabih*, Book of Ethics, Chapter of Travel, Hadith No. 2925.

[11]مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الإمارة والقضاء،رقم الحدیث:3718۔

11-Mishkat al-Masabih, Book of Leadership and Judgement, Hadith No. 3718

[12]سورۃ المائدہ:119۔

12-Surah Al-Ma'idah: 119

[13]سورۃ الاعراف:68۔

13-Surah Al-A'raf: 68

[14]سورۃ الحشر:09۔

14-Surah Al-Hashr: 9

[15]**صحیح البخاری**، کتاب الحدود، باب **اقامة الحدود**،رقم الحدیث: 6788۔

15-Sahih Bukhari, Book of Hudud, Chapter on Enforcement of Hudud, Hadith No. 6788.

[16]ابن ماجه،*سنن ابن ماجه*، کتاب السنة،باب: اتِّبَاعِ سُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ،رقم الحدیث:43۔

16-Ibn Majah. *Sunan Ibn Majah*, Book of Sunnah, Chapter: Following the Sunnah of the Righteous Caliphs, Hadith No. 43.

[17]ابن کثیر،*البدایہ والنہایہ*، جلد 3، صفحہ 60، دار الفکر، بیروت، 1988۔

17-Ibn Kathir. (1988). *Al-Bidayah wa'l-Nihayah*, Vol. 3, p. 60. Dar al-Fikr, Beirut

[18]ابن ہشام،*السیرۃ النبویۃ*، جلد 1، صفحہ 367، دار الفکر، بیروت، 2001۔

18-Ibn Hisham. (2001). *As-Sirah al-Nabawiyyah*, Vol. 1, p. 367. Dar al-Fikr, Beirut

[19]ابن ہشام،*السیرۃ النبویۃ*، جلد 2، صفحہ 155، دار الفکر، بیروت، 2001۔

19-Ibn Hisham. (2001). *As-Sirah al-Nabawiyyah*, Vol. 2, p. 155. Dar al-Fikr, Beirut

[20]طبری،*تاریخ الامم و الملوک*، جلد 2، صفحہ 503، دار التراث، قاہرہ، 1967/زرقانی،*مناہل العرفان*، جلد 1، صفحہ 277، دار الکتب، مصر، 1987۔

20-Al-Tabari. (1967). *Tarikh al-Umam wa'l-Muluk*, Vol. 2, p. 503. Dar al-Turath, Cairo/**Zarqani, Muhammad**. (1987). *Manahel al-Irfan*, Vol. 1, p. 277. Dar al-Kutub, Egypt

[21]سورۃ الصف:14۔

21-Surah As-Saff: 14

[22]مسلم بن الحجاج ،صحیح مسلم، کتاب البر والصلة،باب فضل الألفة، حدیث نمبر: 2566۔

22-Muslim bin Hajjaj. *Sahih Muslim*, Book of Kindness and Family Relations, Hadith No. 2566

[23]سورۃ الشوریٰ:40۔

23-Surah Ash-Shura: 40

[24]سورۃ النساء:128۔

24-Surah An-Nisa: 128

[25]سورۃ النساء:114۔

25-Surah An-Nisa: 114

[26]سلیمان بن اشعث،سنن ابی داود ،کِتَاب الْأَدَبِ، باب فِي إِصْلَاحِ ذَاتِ الْبَيْنِ،رقم الحدیث:4919۔

26-Sulaiman bin Ash'ath. *Sunan Abu Dawood*, Book of Ethics, Chapter on Reconciliation, Hadith No. 4919.

[27]سورۃ الروم:41۔

27-Surah Ar-Rum: 41

[28] ابو عیسی محمد بن عیسی الترمذی ،جامع الترمذی، کتاب الدعوات، باب فی دعوة المظلوم، رقم الحدیث: 3598۔

28-Abu Isa Muhammad bin Isa al-Tirmidhi. *Jami' at-Tirmidhi*, Book of Supplications, Hadith No. 3598.

[29] سورة الحدید :25۔

29-Surah Al-Hadid: 25

[30] سورة الحج:39،40۔

30-Surah Al-Hajj: 39-40

[31] سورة النساء:75۔

31-Surah An-Nisa: 75

[32] سورة الرحمٰن:09۔

32-Surah Ar-Rahman: 9

[33] سورة المائدہ:01۔

33-Surah Al-Ma'idah: 1

[34] احمدابن حنبل، *المسند*، دار احیاء التراث العربی، بیروت، جلد 3، صفحه 135،رقم الحدیث:12567۔

34-Ahmad bin Hanbal. *Al-Musnad*, Vol. 3, p. 135, Hadith No. 12567. Dar Ihya al-Turath al-Arabi, Beirut.

[35] بخاری، محمد بن اسماعیل، *الجامع الصحیح*.کتاب الإجارة، باب إِثْمِ مَنْ مَانَعَ أَجْرَ الأَجِيرِ، رقم الحدیث: 2270۔

35-Bukhari, Muhammad bin Ismail. *Sahih al-Bukhari*, Book of Hiring, Chapter on the Sin of Withholding Wages, Hadith No. 2270.

[36] سورة الاحقاف:35۔

36-Surah Al-Ahqaf: 35

[37] بخاری، محمد بن اسماعیل، *الجامع الصحیح*،کتاب المرضی، باب فضل من ذهب بصره، رقم الحدیث: 5653۔

37-Bukhari, Muhammad bin Ismail. *Sahih al-Bukhari*, Book of the Sick, Chapter on the Virtue of the Blind, Hadith No. 5653.

[38] سورة الشوریٰ :43۔

38-Surah Ash-Shura: 43

[39] بخاری، محمد بن اسماعیل،الجامع الصحیح،کتاب الجهاد، باب غزوة الحديبية،رقم الحدیث: 2770۔

39-Bukhari, Muhammad bin Ismail. *Sahih al-Bukhari*, Book of Jihad, Chapter on the Battle of Hudaybiyyah, Hadith No. 2770.

[40] ابن ہشام، *سیرت النبی*، بیروت، دار الکتب العلمیه،ط:2000ء، ج:1،ص: 246۔

40-Ibn Hisham. (2000). *As-Sirah an-Nabawiyyah*, Vol. 1, p. 246. Dar al-Kutub al-Ilmiyyah, Beirut

[41] مسلم، محمد بن الحجاج، *الصحیح* مسلم، کتاب الزکاة،رقم الحدیث: 2297۔

41-Muslim bin Hajjaj. *Sahih Muslim*, Book of Zakah, Hadith No. 2297